OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

برصغیر کی مذہبی، علمی اور ثقافتی تاریخ کی تحقیق میں شیخ محمد اکرام کا اسلوب اور خصائص
(Methodology and Characteristics of *Sheikh Muhammad Ikrām's* research regarding Religious, Intellectual and Cultural History of the Subcontinent)

Kanwal Hameed

Doctoral Candidate Urdu, GC Woman University, Faisalabad

Dr. Shahida Yousaf

Professor, Department of Urdu, GC Woman University, Faisalabad

Abstract

Among the studies that have come to light on the religious, cultural and intellectual history of the subcontinent, the three books (*Āb-i-Kawsar, Rūd-i-Kawsar* and *Mawj-i-Kawsar*) by *Sheikh Muhammad Ikrām* (1908-1973), a renowned Pakistani historian and biographer, are unique in nature. This paper presents a study of *Ikrām's* methodology and characteristics of his writing in the referred works. From the two parts of this study, the first deals with the biographical outline and scholarly position of *Sheikh Mohammad Ikrām* and the second part explains the methodology and features of his works. The study finds that *Ikrām's* style in his referred works is academic, critical and literary, as well as lively, comprehensive and fascinating. While studying his writings, the reader walks with him throughout the history. He analyzes historical situations and personalities as a critic and then draws conclusions in such a way that the reader becomes imperceptibly convinced of his arguments.

Keywords: History, Subcontinent, research, *Ikrām*

تمہید

برصغیر کی مذہبی، ثقافتی اور علمی تاریخ پر جو تحقیقات سامنے آئیں،ان میں شیخ محمد اکرام (1908ء-1973ء) کی تین کتابیں آبِ کوثر، رودِ کوثر، موجِ کوثر اپنی مثال ہیں۔ آبِ کوثر میں عہد مغلیہ سے پہلے ،رودِ کوثر میں عہدِ مغلیہ اور موجِ کوثر میں انیسویں صدی کے آغاز سے لے کر تقسیم ہند تک کی مذہبی، ثقافتی اور علمی تاریخ پر دادِ تحقیق دی گئی ہے۔ ان سطور میں ان تصانیف میں شیخ محمد اکرام کے اسلوب و منہج تحقیق و تحریر کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس مطالعے کے دو حصے ہیں، پہلے حصے میں شیخ محمد اکرام کا سوانحی خاکہ اور علمی مقام بیان کیا گیا ہے اور دوسرے میں ان کی تحقیق کے اندازواسلوب اوراور خصائص کو واضح کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ مذکورہ تینوں تصانیف کے حوالوں سے ان کے اسلوب کو اہم نکات کے تحت ذیلی عنوانات کی صورت میں مرتب کیا گیا ہے اور ہر عنوان کو زیرِ نظر تصانیف کے حوالوں سے مزین کیا گیا ہے۔

شیخ محمد اکرام: ایک تعارف

شیخ محمد اکرام ستمبر 1908ء کو گوجرانوالہ کے ایک قصبے رسول نگر میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور اور آکسفورڈ میں تعلیم حاصل کی۔ 1933ء میں انڈین سول سروس میں شامل ہوئے۔ سوات، شولاپور، بڑوچ اور پونا میں اعلیٰ انتظامی عہدوں پر فائز رہے۔ پونا کے پہلے ہندوستانی کلکٹر اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ تھے۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستان کی وفاقی وزارتِ اطلاعات و نشریات کے ڈپٹی سیکرٹری مقرر ہوئے، پھر اسی وزارت میں جوائنٹ سیکریٹری اور بعد میں کچھ مدت کے لیے سیکریٹری کے عہدے پر بھی فائز ہوئے۔ چیف سیٹلمنٹ کمشنر، کمشنر ڈھاکہ ، ممبر بورڈ آف ریوینیو، ناظمِ اعلیٰ محکمہ اوقاف کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

علمی تحقیقات کے حوالے شیخ محمد اکرام ہماری قومی اور علمی تاریخ کا بہت اہم اور انتہائی لائقِ توجہ حوالہ ہیں۔ آپ کی ساری زندگی جہانِ فکر و دانش کے در و بام تعمیر کرتے اور سجاتے گزری۔ آپ کی علمی کاوشوں میں کوثر سیریز کی شکل میں برصغیر کی علمی، سماجی اور مذہبی تاریخ پر غیر معمولی تحقیق کے علاوہ برصغیر پاک وہند کی فارسی شاعری کا مجموعہ "ارمغانِ پاک"، پاکستانی ترانوں اور حب الوطنی کے گیتوں کا مجموعہ "نوائے پاک "، شبلی اور غالب کی سوانح عمریاں اور متعدد انگریزی تالیفات شامل ہیں۔ آپ کی خدمات کا اعتراف قومی و عالمی ہر دو سطحوں پر کیا گیا ہے۔ حکومتِ ایران کی جانب سے نشانِ سپاس اور حکومتِ پاکستان کی طرف سے ستارۂ امتیاز سے نوازے گئے۔ پنجاب یونی ورسٹی لاہور نے ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری عطا کی۔

شیخ محمد اکرام کے اس سوانحی خاکے کے بعد اب آتے ہیں کوثر سیریز میں ان کے اسلوب و منہج کی طرف۔

برصغیر کی مذہبی، علمی اور ثقافتی تاریخ پر کام کا محرک

برصغیر کی مذہبی، علمی اور ثقافتی تاریخ پر شیخ محمد اکرام کے زیرِ نظر کام کا جذبۂ محرکہ کیا تھا؟ اس حوالے سے ان کا اپنا بیان ہے کہ قوم کی جدید ذہنی وروحانی دور کی نسبت کتابوں کی کمی نہیں بلکہ یہ کتابیں اس قدر زیادہ ہیں کے ظاہری وہنگامی پہلوؤں سے گزر کر بنیادی اصولوں کو سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس میں اختلاف کی بڑی گنجایش ہے، لیکن بالعموم یہ شکایت کسی نے نہیں کی ہم نے واقعات جمع کرنے میں یا نتائج اخذ کرنے میں بے احتیاطی یا جانب داری سے کام لیا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ امر اور بھی

زیادہ ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اپنے صد سالہ فکر ارتقا پر تنقیدی نظر ڈال کر عملی اعتبار سے اپنے آئندہ اسلوب فکر کا تعین کریں، جس کے بغیر کوئی آزاد قوم عروج و ترقی کے راستے پر ایک قدم نہیں بڑھا سکتی۔[1]

سلسلۂ کوثر کی تالیف میں مشکلات اور ان کا حل

سلسلہ کوثر کی تدوین میں شیخ محمد اکرام کو مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اکابر دین اور بزرگانِ اسلام کے بارے میں تبصرہ آرائی کے وقت ادب و احترام بھی ملحوظ خاطر رہا۔ محمد معظم الدین کے مطابق تاریخی تحقیق اور عقیدت مندانہ ارادت کے تقاضے الگ تھے اور قومی بہی خواہی اور دیانت داری انصاف کی الگ متقاضی تھی۔ نیز مورخانہ فرائض کی ادائیگی اور سب سے بڑھ کر موضوعات کی وسعت کے پیش نظر ان میں مطابقت اور ہم آہنگی پیدا کرنا خاصہ مشکل کام تھا۔[2] لیکن شیخ محمد اکرام نے ان تمام مشکلات پر قابو پانے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب رہے۔ رودِ کوثر کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> لیکن جب ان ہستیوں کا ذکر ہو جنہوں نے ہماری قومی زندگی کا دھارا بدل دیا ہے، تو ان کے کاموں کا تجزیہ کیے بغیر ایک مورخ اپنے فرائض سے کس طرح عہدہ برا ہو سکتا ہے؟ اس کے علاوہ وہ واقعہ نگاری ہی کیا ہوئی، جس میں آپ اصحاب تذکرہ کے خط و خال نہ پہچان سکیں اور ان کا امتیازی رنگِ طبیعت نہ سمجھ سکیں۔[3]

راستی بالائے طاعت است کا اصول

شیخ محمد اکرام نے زیرِ نظر حوالے سے تاریخ و شخصیات کے تذکرے میں راستی بالائے طاعت است کا اصول اپنایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارا اصول کار وہی ہے جیسے غالب بار بار اپنے خطوط میں درج کرتا تھا۔ یعنی "راستی بالائے طاعت است"۔ ہماری مسلسل کوشش ہے کہ حقیقت سے پردہ اٹھائیں۔ واقعات اور شخصیتوں کو ان کی صحیح شکل و صورت میں دیکھیں۔ خواہ اس سے قومی خود پسندی کی تسکین ہو یا نہ ہو۔ ہمارے ہاں شبلی "مضامین عالمگیر" کے وقت سے جو اسلوب تاریخ نویسی رائج ہے، وہ اس اصول کے خلاف ہے۔ اور فی الحقیقت اسلامی ہندوستان کی تاریخ اور مذہب اسلام کے متعلق غلط بیانیوں، غلط پر پیگنڈہ کا جو طوفان مغربی علمی اداروں میں چلا آرہا ہے، اسے دیکھ کے ایک خاص قسم کا مدافعانہ یا خود پسندانہ نقطۂ نظر پیدا ہو جانا قدرتی امر ہے، لیکن کیا یہ قومی فلاح کا راستہ ہے؟ کیا اسے اختیار کر کے اور واقعات کو ایک رنگین لہر میں دیکھنے سے ہم تاریخ سے وہ فوائد حاصل کر سکتے ہیں، جن کے لئے یہ علم کار آمد ہو تا ہے؟ راقم الحروف کو یقین ہے کہ یہ طریقہ کار نہ مورخانہ ہے نہ قومی بہی خواہی کا۔ اگر قومی خودداری کی تسکین ہی منتہائے آرزو ہے تو اس کے لیے ایم اسلم اور نسیم حجازی کے تاریخی رومان ہی کیوں نہ پڑھ لیے جائیں۔ تاریخ نگاری اور تاریخ خوانی سے فائدہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے اگر اس کے اصول و آئین پیش نظر رہیں اور ان میں "راستی بالائے طاعت است" کا اصول سب سے مقدم ہے۔[4] شیخ صاحب کے مطابق ان کی شروع سے آخر تک یہی کوشش رہی

---

[1] شیخ محمد اکرام، موج کوثر (لاہور: فیروز پرنٹنگ ورکس، 1966ء)، 2۔

[2] ڈاکٹر محمد معظم الدین، اکرام نامہ (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ھاؤس، 2010ء)، 24 ۔

[3] شیخ محمد اکرام، رود کوثر (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 2009ء)، 9۔

[4] اکرام، رود کوثر، 9۔

ہے کہ کوئی اہم اور قابل ذکر واقعہ نظر سے پوشیدہ نہ رہے اور تمام واقعات کا بیان حتی الوسع انصاف اور اعتدال سے ہو۔ اس کے علاوہ علما اور مشائخ کے حالات جن پر خوش اعتقاد تذکرہ نویسوں نے توہم پرستی کا غلاف چڑھا رکھا ہے، مورخانہ تنقید کے اصولوں پر پرکھ کر اور افراط و تفریط سے بچ کر اس طرح پیش کیے جائیں کہ نئی نسلیں ان بزرگوں کے صحیح کارناموں سے واقف ہوں اور انھیں اچھی طرح سمجھیں تاکہ وہ لفاظی، جذباتی جوش، مبالغہ آرائی اور قصہ نویسی کے طوفان میں نہ بہہ جائیں۔[5]

سادہ اور تیقن آمیز اسلوب

شیخ محمد اکرام کا اسلوب سادگی اور تیقن کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ انھیں اپنے موضوع کی وسعت اور اہمیت کا پوری طرح اندازہ تھا۔ انھوں نے جو بات لکھی پوری تحقیق و جستجو کے بعد اور حقائق کی چھان بین کے بعد لکھی۔ تاریخ نگاری میں اسلوب مخصوص نوعیت کا ہوتا ہے، لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ تمام تاریخ نویس یکساں اسلوب نگارش کے حامل ہوں۔ سرسید کا اسلوب سادہ اور سلیس ہے ابوالکلام آزاد کا ادق، جس میں پرشکوہ عربی الفاظ کی بھرمار نظر آتی ہے۔ مولانا آزاد کے ہاں انشاپردازی میں تخیل کی کارفرمائی واضح نظر آتی ہے، حالیؔ کا اسلوب سادہ اور متین تھا۔ اسی طرح شیخ محمد اکرام کا اسلوب بھی خاص تھا، جس میں حالی کی سنجیدگی اور سرسید کی سادہ نویسی کو دخل حاصل تھا۔ شیخ محمد اکرام کا تاریخی کتب اور سوانحی کتب میں تحقیقی اسلوب منطقی انداز لیے ہوئے ہے۔ ان کے اسلوب میں حقیقت پسندانہ تجزیہ جابجا ملتا ہے۔ وہ بات پوری دلیل کے ساتھ کرتے ہیں۔ ان کے انداز تحریر میں یقین اور تیقن کی جھلک نمایاں ہے۔ سید صباح الدین عبد الرحمٰن کے مطابق:

> لائق مصنف کے قلم میں بڑا زور ہے۔ وہ لکھتے وقت اپنے ناظرین کو محسوس کراتے ہیں کہ وہ جو لکھ رہے ہیں وہ حرف آخر ہے، اس سے اختلاف کرنے کی گنجایش نہیں۔ یہ ان کے طرزِ ادا کی خوبی ہے۔[6]

تحقیق و جستجو اور نظر ثانی کا تسلسل

شیخ محمد اکرام کے طرزِ تحریر میں یہ یقین ان کی تحقیق و جستجو کی بدولت پیدا ہوا تھا۔ انھوں نے تحقیق میں کبھی سستی نہیں دکھلائی وہ نئے حقائق کی تلاش میں ہمیشہ سرگرداں رہتے تھے۔ اسی لیے ان کی ہر کتاب کا جب ایڈیشن آیا اس میں مواد میں اضافہ و ترمیم دیکھنے کو ملتا تھا۔ شیخ محمد اکرام کے منطقی اور استدلالی اسلوب کی جھلک ان کی تاریخی کتب میں جابجا نظر آتی ہے۔ مندرجہ ذیل اقتباسات ان کے اس اندازِ تحریر کے گواہ ہیں۔ آبِ کوثر میں ڈاکٹر تاراچند کی کتاب مختصر تاریخ اہل ہند میں شامل ایک اقتباس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ڈاکٹر تاراچند نے جس خفیف ٹیکس کا ذکر کیا ہے، وہ جزیہ کی بنا پر محمد بن قاسم پر اعتراض کیا جاتا ہے، لیکن جب یہ خیال کیا جائے کہ مسلمانوں کو زکوۃ اور صدقہ دو ایسے ٹیکس دینے پڑتے تھے، جن سے ہندو محفوظ تھے اور جو جزیہ کی رقم سے کہیں زیادہ ہوتے تھے، تو یہ ٹیکس (جزیہ) غیر منصفانہ نہیں معلوم ہوتا۔[7]

داتا گنج بخش کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

[5] شیخ محمد اکرام، آب کوثر، (لاہور: مرکنٹائل پریس، 1940ء)، ب۔

[6] سید صباح الدین عبد الرحمٰن، "پاکستان میں دو مہینے۔"، معارف، اعظم گڑھ (1970ء): 448۔

[7] اکرام، آب کوثر، 79۔

داتا گنج بخش کے خیالات کا متاخرین سے مقابلہ کریں تو ان کی اصابت رائے خلوص اور تقوی کی داد دینی پڑتی ہے، لیکن زاہدنہ رنگ جو ابتدائی صوفیوں میں کبھی کبھی رہبانیت کی حد تک جا پہنچا تھا، ان میں بھی موجود تھا۔ اپنی تصانیف میں انھوں نے عورتوں کی خوب خبر لی ہے۔[8]

دیگر مصنفین کے کاموں پر ناقدانہ گفت گو

شیخ محمد اکرام نے اپنی زیرِ نظر تصانیف میں جہاں کہیں اپنے سے پہلے کے مصنفین کی بات کو کمزور پایا ہے، اس پر علمی و محققانہ تنقید کی ہے۔ رودِ کوثر میں "شیخ عبد الحق محدث اور حضرت مجدد الف ثانی" کے باب میں پروفیسر خلیق احمد نظامی کے رسالے پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ہمارے فاضل دوست نے یہ پورا رسالہ اپنی کتاب حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے ساتھ شائع کر دیا ہے۔ لیکن افسوس کہ انھوں نے شیخ محدث کے چار سو صفحے کی مبسوط سوانح عمری میں نہ ان اختلافات کی، جو انھیں حضرت مجدد سے تھے، نہ ان اسباب کی جن کی بنا پر بعضوں کے نزدیک یہ اختلافات رفع ہوئے، وضاحت کی ہے، بلکہ یہ لکھ کر کہ "یہ اختلاف عارضی تھا اور بہت جلد دور ہو گیا" ان اختلافات کے متعلق غلط فہمی کی گنجایش باقی رکھی ہے۔[9]

موجِ کوثر میں نواب صدیق حسن خان کے بارے میں معلومات دیتے ہوئے ان کی سوانح "مآثر صدیقی"، جسے نواب صاحب کے فرزند نے مرتب کیا ہے، پر ناقدانہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> نواب صدیق حسن خان کے حالات ان کے فرزند ارجمند صفی الدولہ حسام الملک نواب محمد علی حسن خان سابق ناظم ندوۃ العلمانے مآثر صدیقی کے نام سے چار جلدوں میں ترتیب دیے ہیں۔ یہ ایک مفید اور دلچسپ تالیف ہے، لیکن اس سے موضوع کا حق ادا نہیں ہوتا۔ ایک تو اس میں صاحب تذکرہ کے علمی کاموں کا جائزہ لینے اور ان کی تصانیف پر تبصرہ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی دوسرے محتاط وضع دار فرزند نے اقتضائے حال و مآل اور نزاکت وقت کے لحاظ سے ہر ایک واقعہ کی تفصیل من عن بیان کر دینا مناسب و مفید نہیں سمجھا۔ نواب صدیق حسن خان کی زندگی ایک بو قلموں اور زندہ و توانا ہستی کی واردات حیات تھی۔ اگر اس کا تفصیلی اور بہ دقت نظر مطالعہ ہو تو نہ صرف ان کی دنیوی زندگی کا ڈراما پوری طرح نظر کے سامنے آئے بلکہ ریاستی پالیٹکس کی کشمکش، حکام انگریزی کے اختیارات اور ان کا استعمال، اور سب سے بڑھ کر اس کشمکش کا اندازہ ہو جس سے حساس مسلمان اُس زمانے میں دو چار تھے۔[10]

فکر انگیز اور قیاسی انداز

---

[8] اکرام، آب کوثر، 79۔

[9] اکرام، رودِ کوثر، 52۔

[10] اکرام، موجِ کوثر، 67۔

سلسلہ کوثر میں شیخ محمد اکرام کا طریقہ تحریر فکر انگیز اور انسان کی سوچ کو جھنجھوڑنے والا بھی ہے اور قیاسی بھی۔ وہ مختلف واقعات سے غور و فکر کے ذریعے اور غور و فکر پر ابھارنے والے انداز سے استدلال کرتے اور نتائج اخذ کرتے ہیں۔ نتائج اخذ کرنے میں قیاسی انداز کی ایک مثال بدایونی کے متعلق ان کا یہ بیان ہے:

> سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اکبر نے ایسے شخص کو اتنی مدت کیوں اپنے نزدیک رکھا؟ یہ صحیح ہے کہ بدایونی اپنی کتاب چھُپ چھُپا کر لکھتا تھا اور اس نے کسی فرد بشر پر اس کا راز ظاہر نہ ہونے دیا۔ وہ شروع میں آزاد خیال کردہ کا ترجمان تھا اس لیے اکبر کو کچھ عرصہ اس وجہ سے بھی غلط فہمی رہی ہوگی۔[11]

رواں دواں اسلوب

شیخ محمد اکرام کا اسلوب کی ایک خصوصیت اس کی روانی ہے۔ تاریخی کتابوں میں رواں دواں اسلوب اختیار کرنا اور اسے نبھانا بہت مشکل ہوتا ہے، لیکن ان کے یہاں عبارت کی روانی میں کہیں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ وہ رواں انداز میں واقعات کو زمانی تسلسل سے بیان کرتے چلے جاتے ہیں اور قاری بھی ان کے ساتھ تاریخ میں سفر کرتا چلا جاتا ہے۔ روانی کے ساتھ ساتھ تحریر کی شگفتگی بھی جگہ جگہ نظر آتی ہے۔ ان کے اندازِ تحریر کے سبب قاری کو کہیں یکسانیت کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ عبارت کو شگفتہ بنانے کے لیے محاوروں کا استعمال بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ آبِ کوثر میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

> جے پال نے غزنی پر حملہ کر کے بھڑوں کے چھتا میں ہاتھ ڈالا تھا۔ اب یہ حالت ہو گئی تھی کہ میں تو کمبل کو چھوڑتا ہوں لیکن کمبل ہی مجھے نہیں چھوڑتا۔[12]

کیقباد کے بارے میں اپنے رواں دواں انداز میں لکھتے ہیں:

> کیقباد تخت نشینی کے وقت اٹھارہ سال کا نوجوان تھا۔ اب تک اس کی تربیت بلبن کے زیر اثر بڑے ضابطے اور پابندیوں کے ساتھ ہوئی تھی۔ تخت نشین ہونے کی بھی اسے کوئی امید نہ تھی۔ اب جو یک بارگی اس پر سے یہ پابندیاں ہٹیں اور عیش و آزادی کے سارے سامان میسر آئے، تو اس نے دل کھول کر دادِ عیش و عشرت میں وہ دست رس بہم پہنچائی کہ محمد شاہ "رنگیلا" بھی اس کے سامنے طفل مکتب نظر آتا ہے۔[13]

مختصر اور جامع اندازِ تحریر

شیخ محمد اکرام اپنی اصل زندگی میں بھی بات کو زیادہ تفصیل سے بیان کرنے کے عادی نہیں تھے۔ بات مختصر کرتے اور جامع انداز میں اپنا مدعا اگلے تک پہنچانے کی کوشش کرتے۔ یہی انداز ان کے تحریروں کا بھی خاصہ ہے۔ علامہ ابوریحان البیرونی کے بارے میں معلومات دیکھیے کہ کتنے کم سے کم الفاظ میں بیان کی ہیں۔ لکھتے ہیں کہ گاؤں بیروں میں 973ء پیدا ہوا۔ تیس برس اپنے وطن سے گزارے۔ پھر کئی سال شمس المعانی والیِ جرجان و طبرستان کے دربار سے وابستہ رہا اور یہیں میں 1001ء آثار الباقیہ لکھی۔ اس کے بعد خوازم چلا آیا اور جب سلطان محمود غزنوی نے خوازم کی حکومت کا خاتمہ کر دیا، تو دوسرے اعیان

[11] اکرام، موجِ کوثر، 84۔

[12] اکرام، آب کوثر، 57۔

[13] اکرام، آب کوثر، 110۔

ومشاہیر کے ساتھ 1017ء میں غزنی گیا۔ محمود اس سے کسی بات پر ناراض رہا، لیکن اس کے بیٹے مسعود نے البیرونی کی سرپرستی کی۔ موخر الذکر کے نام پر اس نے قانون مسعودی معنون کی اور بالآخر 78 سال کی عمر میں 114 سے زیادہ علمی کتابیں لکھنے کے بعد 1048ء میں وفات پائی۔

واقعات پر ناقدانہ تبصرہ

شیخ محمد اکرام کی تصانیف میں واقعات پر ناقدانہ تصروں کا انداز بھی پایا جاتا ہے۔ وہ واقعات صرف بیان ہی نہیں کرتے بلکہ ان کا ناقدانہ جائزہ بھی لیتے ہیں اور اس کے نتائج سے بحث بھی کرتے ہیں۔ مثلاً موج کوثر کی ایک عبارت دیکھیے:

> اس افسوس ناک انقلابِ احوال کا تجزیہ کرنا اور اس کے اسباب و بواعث ڈھونڈنا تاریخ نگار کا تلخ فرض ہے، لیکن آج یہ کام کسی قدر آسان ہو گیا ہے۔ ابھی تک اس سانحہ کے متعلق فقط سید صاحب کے عقیدت مندوں کے بیانات ملتے تھے۔ (جن کی ترجمانی عہد حاضر میں مولانا مہر نے بڑے جوش و جذبے سے کی ہے۔) لیکن اب افغان نقطۂ نظر بھی سامنے آ گیا ہے۔ متعلقہ تحریروں کو دیکھنے سے خیال ہوتا ہے کہ بنیادی اختلافات اقتصادی اور سیاسی تھے۔ افغانوں نے سید صاحب کا ساتھ اس لیے دیا کہ وہ انھیں سکھوں اور ان کے وصولیوں سے نجات دلائیں گے۔ اب سید صاحب نے اپنا نظام جاری کیا جس میں اسی طرح کی وصولیاں تھیں۔ زیادہ واضح اختلاف، جس نے اس علاقے کے علما کو مجاہدین کے خلاف صف آرا کیا عشر کا مسئلہ تھا۔[14]

طنزیہ اندازِ تحریر

شیخ محمد اکرام نے اپنی تصانیف میں طنزیہ انداز تحریر بھی اپنایا ہے۔ سید سلیمان ندوی کے بارے میں موج کوثر میں لکھتے ہیں:

> "جس وقت ہم نے ابھی مولنا سلیمان ندوی کی افتادِ طبع کا صحیح اندازہ نہ کیا تھا، اس وقت اس عجیب و غریب حاشیہ آرائی کو پڑھ کر ہم اکثر سوچا کرتے تھے کہ مولوی صاحب "سادہ" ہیں یا "پرکار" یعنی ان کی اپنی آنکھ میں تنکا ہے، یا وہ دیدہ دانستہ دوسروں کی آنکھ میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں۔[15]

تقابل کا اسلوب و انداز

شیخ محمد اکرام کے اسلوب کی ایک خصوصیت ان کا تقابل و توازن کا انداز ہے۔ کہیں وہ مختلف ادوار کا تقابل کر کے ان کی اچھائیاں اور برائیاں قارئین کے سامنے رکھتے نظر آتے ہیں تو کہیں دو شخصیتوں کا تقابل کرتے دکھائی دیتے ہیں اور کہیں دو واقعات کے تقابل سے صورت حال کو زیادہ واضح انداز میں پیش کرتے محسوس ہوتے ہیں۔ محمد غوری اور محمود غزنوی کا تقابل ملاحظہ ہو: "اس کی ہمت اور خوش تدبیری شکست کو فتح میں بدل دیتی اور اپنی مشکلوں کے باوجود اس قدر ٹھوس اور پائیدار کام کیا، جس کا عشر عشیر بھی محمود سے، جسے کبھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، نہ ہو سکا۔"[16]

---

[14] اکرام، موج کوثر، 3۔

[15] اکرام، موج کوثر، 100۔

[16] اکرام، آب کوثر، 91۔

موثر ذاتی آرا

آب کوثر، رودِ کوثر اور موجِ کوثر تاریخی کتب ہیں۔ ان میں زیادہ تر تو تاریخی حقائق کی پردہ کشائی کی گئی ہے اور واقعات کو سنین لے لحاظ سے پیش کیا گیا ہے۔ زیادہ تر حقائق بیان ہوئے ہیں لیکن جہاں کہیں شیخ اکرام نے تبصراتی اسلوب اپنایا ہے وہاں ان کا ذاتی آرا کا اسلوب نکھر کر سامنے آیا ہے۔ معلومات تو بیان کرتے ہی ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنی ذاتی رائے کو بھی بڑے خوب صورت اور موثر انداز سے پیش کرتے ہیں۔ ایسے مواقع پر ان کے اسلوب کی خوبی یہ دکھائی دیتی ہے کہ قاری کو ان کی بات سے متفق ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں:

> شاید شاہ جہاں چاہتا تھا کہ اس کے بعد داراشکوہ بغیر کسی کشمکش کے وارثِ تخت و تاج ہو جائے اور اس لیے وہ اس کے سب سے قوی حریف کو دبا کر رکھنا چاہتا تھا۔ یا ممکن ہے کہ وہ سمجھتا ہو کہ اورنگ زیب کی چھوٹی چھوٹی چیزوں پر نظر رکھنے کی عادت (رکاکت) اور خشک (فقیہانہ) طبیعت مستقبل کے لیے خطرہ ہے، اور اسی وجہ وہ بار بار ایسی باتوں پر الجھتا ہو، جو آج ہمیں بے ضرر نظر آتی ہیں۔[17]

خلاصۂ بحث

برصغیر کی مذہبی، علمی اور ثقافتی تاریخ کے بیان میں شیخ محمد اکرام کا اسلوب محققانہ، ناقدانہ اور ادیبانہ ہونے کے ساتھ ساتھ رواں دواں، جامع اور شگفتہ و دل نشیں بھی ہے۔ وہ بات کو کوزے میں بند کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں؛ سادہ اور رواں دواں انداز میں حقائق سے پردہ کشائی کرتے چلے جاتے ہیں اور قاری کہیں بھی کوئی رکاوٹ محسوس کیے بغیر تاریخ میں ان کے ساتھ محوِ سفر رہتا ہے۔ وہ کہیں کہیں انگریزی زبان کے الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں، لیکن اس سے عبارت کے توازن میں فرق نہیں آتا۔ وہ حالات کا ایک ناقد کی حیثیت سے تجزیہ کرتے ہیں اور پھر اس سے نتائج اخذ کرتے ہیں۔ واقعات و شخصیات کے تقابل سے ان کی اہمیت بیان کرتے ہیں تو قاری غیر محسوس انداز میں مخصوص شخص یا واقعہ کی حقانیت کا قائل ہوتا چلا جاتا ہے۔ ان کے اندازِ تحریر میں ان کی انگریزی تعلیم کے اثرات بھی جابجا دیکھے جاسکتے ہیں۔ وہ فارسی اور انگریزی کے علاوہ جرمن، عربی وغیرہ متعدد زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ کالج کے زمانے سے حلقۂ احباب ایسے لوگوں پر مشتمل تھا، جنھیں اردو ادب سے شغف تھا۔ وہیں سے انھیں غالب میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ اس کے وہ اقبال کی صحبت بھی فیض یاب ہوتے رہے۔ ان تمام باتوں نے ان کے اسلوب میں ایک خاص قسم کی دلکشی اور جدت پیدا کر دی تھی۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور سول سروس میں شمولیت نے ان کی وسعتِ نظر میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔

---

[17] اکرام، آب کوثر، 121۔